۴۔ درج ذیل الفاظ پر ان کے سامنے لکھے گئے معنی کے مطابق اعراب لگائیں۔

خم (ٹیڑھا پن)	خم (شراب کا مٹکا)
کرم (مہربانی)	کرم (کیڑا)
کل (تمام، میزان)	کل (پُرزہ، گزرا یا آنے والا دن)
محقق (تحقیق کرنے والا)	محقق (جس پر تحقیق کی گئی ہو)
منتظر (انتظار کرنے والا)	منتظر (جس کا انتظار کیا جائے)

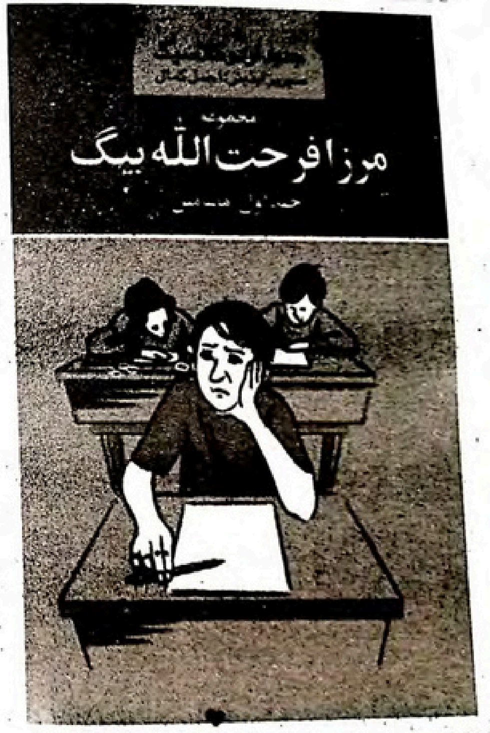

چراغ حسن حسرت

ولادت: ۱۹۰۲ء　　وفات: ۱۹۵۵ء

اصل نام چراغ حسن تھا جبکہ تخلص حسرت تھا۔ وہ کشمیر کے مشہور علاقے بارہ مولا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جموں سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے لاہور آگئے۔ یہاں ان کے حلقۂ احباب میں اکثر لوگوں کا تعلق صحافت سے تھا۔ چنانچہ حسرت بھی کوچۂ صحافت میں جا نکلے۔ حسرت نے مختلف اخبارات میں کام کیا۔ اُنھوں نے ''سند باد جہازی'' کے نام سے فکاہیہ کالم لکھنا شروع کیے۔ ان کالموں میں حسرت کی فطری صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں۔ مختلف اخبارات میں کام کرتے ہوئے بالآخر ''روزنامہ امروز'' سے وابستہ ہوئے اور آخری دم تک اسی سے منسلک رہے۔

حسرت ایک مشہور صحافی اور مقبولِ عام مزاح نگار تھے۔ ان کے مضامین کو واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ کالم جو اخبارات کی زینت بنتے رہتے تھے۔ دوسرے وہ شخصی خاکے جو اُنھوں نے مختلف شخصیات کے تعارف کے طور پر لکھے۔ دونوں میں حسرت کی روایتی ظرافت جھلکتی ہے۔ ان کی فکاہیہ کالم نویسی نے اخبارات کی دنیا میں اہم روایات کی بنیاد ڈالی۔ ان کے کالموں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ حسرت کی زبان سادہ، رواں اور سلیس ہے۔ ان کو الفاظ و تراکیب کے استعمال کا خاص ملکہ تھا۔ خاکہ نگاری میں انھوں نے ایسی شخصیات کا انتخاب کیا، جن کے ساتھ ان کی گہری وابستگی اور خلوص تھا۔

تصانیف: فکاہیات، حرف و حکایت، کیلے کا چھلکا، جدید جغرافیہ پنجاب، مردم دیدہ وغیرہ۔

علاّمہ اقبالؒ

میکلوڈ روڈ پر لکشمی انشورنس کمپنی کی عمارت سے کچھ آگے سنیما ہے۔ سنیما سے ادھر ایک مکان چھوڑ کے ایک پرانی کوٹھی ہے، جہاں آج کل آنکھوں یا دانتوں کا کوئی ڈاکٹر رہتا ہے۔ کسی زمانے میں علامہ اقبالؒ یہیں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں یہیں پہلی مرتبہ ان کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اب بھی میں اس طرف سے گزرتا ہوں، تو اس کوٹھی کے قریب پہنچ کر قدم رُکتے معلوم ہوتے ہیں اور نظریں بے اختیار اس کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔

کوٹھی اچھی خاصی تھی۔ صحن بھی خاصا کشادہ، ایک طرف شاگرد پیشہ کے لیے دو تین کمرے بنے ہوئے تھے، جن میں علامہ اقبالؒ کے نوکر چاکر علی بخش، رحمان، دیوان علی وغیرہ رہتے تھے، لیکن کوٹھی کی دیواریں سیلی ہوئی۔ پلستر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا۔ چھتیں ٹوٹی پھوٹی۔ منڈیر کی کچھ اینٹیں اپنی جگہ سے اس طرح بِرکی ہوئی تھیں کہ ہر وقت منڈیر کے زمین پر آرہنے کا اندیشہ تھا۔ میرؔ کا مکان نہ سہی، بہرحال غالبؔ کے بَلّی ماراں والے مکان سے ملتا جلتا نقشہ ضرور تھا۔

کوٹھی کے صحن میں چارپائی بچھی تھی۔ چارپائی پر اُجلی چادر، اس پر علامہ اقبالؒ ململ کا کرتہ پہنے، تہ بند باندھے تکیے سے ٹیک لگائے حقہ پی رہے تھے۔ سرخ و سپید رنگ، بھرا ہوا جسم، سر کے بال کچھ سیاہ کچھ سپید۔ داڑھی گھٹی ہوئی، چارپائی کے سامنے کچھ کرسیاں تھیں۔ ان پر دو تین آدمی بیٹھے تھے۔ دو تین اٹھ کے جا رہے تھے۔ سالک صاحب میرے ساتھ تھے۔ علامہ اقبالؒ نے پہلے ان کی مزاج پرسی کی پھر میری طرف توجہ فرمائی۔

اِن دنوں نمک کی ستیاگرہ زوروں پر تھی۔ ڈانڈی کے مارچ کے چرچے جگہ جگہ ہو رہے تھے۔ لاہور میں جلوس نکلتے، جلسے ہوتے اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگتے تھے۔ میں نے پہلے کبھی کھدر کا لباس نہیں پہنا تھا۔ مگر یہ تو کھدر کا خاص موسم تھا، کچھ رواجِ عام کا اثر کچھ کفایت کا خیال، میں نے بھی یہی لباس پہننا شروع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کا ذہن میرے کھدر کے لباس سے چرخے، چرخے سے گاندھی اور گاندھی سے کانگریس کی جانب منتقل ہوگیا کیونکہ اس رسمی تعارف کے بعد انھوں نے جو گفتگو شروع کی اس کی لپیٹ میں گاندھی، کانگریس اور اہنسا سب کے سب آگئے تھے۔

موضوع روکھا پھیکا تھا، مگر بیچ بیچ میں لطیفے بھی ہوتے جاتے تھے۔ میں تو ہوں ہاں کر کے رہ جاتا تھا۔ مگر سالک صاحب کب رُکتے تھے۔ جہاں موقع ملتا تھا کوئی لطیفہ، کوئی چٹکلہ، کوئی پھبتی ضرور کہہ دیتے تھے۔ ہم جب گئے تھے، تو سورج چھپنے میں کوئی آدھ گھنٹہ باقی تھا، مگر اٹھے تو اچھی خاصی رات ہو چکی تھی۔ مجھے لاہور آئے سوا سال سے اوپر ہو چکا تھا، لیکن زیادہ لوگوں سے ربط نہیں تھا۔ یا تنہا گھر میں بیٹھا ہوں یا سالک صاحب کے ہاں، ہفتے میں ایک دو مرتبہ حکیم فقیر محمد صاحب چشتی کے ہاں بھی چلا جاتا تھا، لیکن اب جو علاّمہ اقبالؒ کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقع ملا، تو ایک اور ٹھکانا ہاتھ آگیا۔ کچھ دنوں میں یہ کیفیت ہوئی کہ اول تو دوسرے تیسرے ورنہ ساتویں آٹھویں دن ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا تھا۔ کبھی کسی دوست کے ساتھ کبھی اکیلا مگر جب جاتا تھا، گھنٹہ دو گھنٹہ ضرور بیٹھتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ بارہ بارہ بجے تک برابر محفل جمی ہے۔ لوگ آ رہے ہیں جا رہے ہیں، ادب، شاعری، سیاست، مذہب پر بحثیں ہو رہی ہیں لیکن ان محفلوں میں سب سے زیادہ علاّمہ اقبالؒ باتیں کرتے تھے۔ دوسرے لوگوں کی حیثیت زیادہ تر ''سامعین'' کی ہوتی تھی۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ وہ دوسروں کو بات کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے یا بات کاٹ کے بولنا شروع کر دیتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہر مسئلے کے متعلق ان کی معلومات دوسروں سے زیادہ ہوتی تھیں اور اہلِ محفل کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ چند جملے کہہ کے چپکے ہو رہیں۔

ان کے مکان کے دروازے غریب و امیر، ادنیٰ و اعلیٰ سب پر کھلے تھے نہ کوئی حاجب، نہ دربان، نہ ملاقات کے لیے کارڈ بھجوانے کی ضرورت، نہ تعارف کے لیے کسی واسطے کی حاجت، جو آتا ہے کرسی کھینچ کے بیٹھ جاتا ہے یا تو خود اپنا تعارف کرادیتا ہے یا چپ چاپ بیٹھا باتیں سنتا رہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ باتیں کرتے کرتے تھوڑی دیر کے لیے رکتے ہیں، تو اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور پوچھتے ہیں "فرمایئے کہاں سے آنا ہوا"؟ وہ اپنا نام بتاتا ہے کوئی حاجت ہوتی ہے، تو بیان کردیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد دین تاثیر کہتے ہیں کہ ایک رات کو میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر تھا، کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے کہ ایک شخص جس کے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے اور کچھ بدحواس معلوم ہوتا تھا، آیا اور سلام کرکے بیٹھ گیا۔ علامہ اقبالؒ کچھ دیر کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے "فرمایئے کہاں سے تشریف لائے؟" وہ کہنے لگا "یوں ہی آپ سے ملنے چلا آیا تھا۔" خدا جانے علامہ اقبالؒ نے اس کے چہرے سے کیا معلوم کرلیا کہ اس نے کھانا نہیں کھایا یا کوئی اور بات تھی۔ بہر حال انھوں نے پوچھا: "کھانا کھایئے گا"۔ اس نے جواب دیا۔ "جی ہاں کھلا دیجیے"۔ علامہ اقبالؒ نے علی بخش کو بلا کے کہا۔ "انھیں دوسرے کمرے میں لے جاکے کھانا کھلادو"۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا۔ "میں کھانا یہیں کھاؤں گا"۔ غرض علی بخش نے وہیں دسترخوان بچھا کر اسے کھانا کھلایا۔ وہ کھانا کھا کے بھی نہ اٹھا اور وہیں چپ چاپ بیٹھا رہا۔ رات اچھی خاصی جا چکی تھی اس لیے میں اسے وہیں چھوڑ کے گھر چلا آیا۔ دوسرے دن علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ کیوں ڈاکٹر صاحب رات جو شخص آیا تھا اس کا کیا ہوا؟ کہنے لگے۔ "تمھارے جانے کے بعد میں نے اس سے کہا کہ اب سوجایئے، لیکن وہ کہنے لگا کہ آپ کے کمرے میں ہی پڑ رہوں گا۔ چنانچہ علی بخش نے میرے کمرے کے دروازہ کے ساتھ اسے چارپائی بچھا دی صبح سویرے اٹھ کر وہ کہیں چلا گیا!"

ان سے جو لوگ ملنے آتے تھے۔ ان میں کچھ تو روز کے آنے والے تھے کچھ دوسرے تیسرے اور کچھ ساتویں آٹھویں دن آتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے تھے، جنھیں عمر بھر میں صرف ایک آدھ مرتبہ ان سے

ملنے کا موقع ملا، پھر بھی ان کے ہاں ہر وقت میلا سا لگا رہتا تھا۔ جب جاؤ دو تین آدمی بیٹھے ہیں۔ کوئی سفارش کرانے آیا ہے، کوئی کسی شعر کے معنی پوچھ رہا ہے، کسی نے آتے ہی سیاسیات کے متعلق بحث چھیڑ دی ہے اور کوئی مذہب کے متعلق اپنے شکوک بیان کر رہا ہے۔ اکثر لوگ جو باہر کے کسی شہر سے لاہور کی سیر کرنے آتے تھے۔ ان کی کوٹھی پر حاضر ہونا واجبات میں سے سمجھتے تھے کیونکہ لاہور آکے ڈاکٹر اقبالؒ کو نہ دیکھا تو کیا دیکھا؟ ایسے لوگ بھی تھے جو ان کے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھا دیکھ کر ان سے علاج کرانے آجاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ان سے دانت نکلوانے چلا آیا تھا، جب اسے معلوم ہوا، ڈاکٹر اقبالؒ علاج کرنا نہیں جانتے، تو وہ بہت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کیسے ڈاکٹر ہیں جنھیں دانت نکالنا بھی نہیں آتا!

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں، جنھیں علامہ اقبالؒ سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کا اشتیاق عمر بھر رہا مگر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو ان کی طبیعت کا حال معلوم نہیں تھا۔ وہ ان کی عظمت کے ذکر اذکار سن کر اور ان کے نام کے ساتھ سر جیسا پرُ رعب خطاب دیکھ کر دل میں سمجھتے تھے کہ ان کے حضور میں ہم ایسے غریب لوگوں کی رسائی کہاں؟ میرے ایک عزیز دوست جو علامہ اقبالؒ کے سچے عقیدت مند ہیں، ان کی وفات سے کوئی دو مہینے کے بعد مجھ سے ملنے آئے اور جب تک بیٹھے رہے انھیں کا ذکر کرتے رہے۔ جب انہیں میری زبانی معلوم ہوا کہ علامہ اقبالؒ سے ہر شخص مل سکتا تھا، تو انھوں نے بے اختیار رونا شروع کردیا اور کہنے لگے "تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟ مجھے کئی سال سے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی تمنا تھی، مگر حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ جی میں سوچتا تھا کہ کسی تقریب کے بغیر کیسے ملوں؟ کیا عجب ہے کہ وہ ملنے سے انکار ہی کردیں۔ کئی دفعہ اس شوق میں ان کی کوٹھی تک آگیا مگر اندر قدم رکھنے کی ہمت نہ پڑی اس لیے باہر سے ہی الٹے پاؤں لوٹ آیا"۔

علامہ اقبالؒ بہت سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ گھر میں تو وہ ہمیشہ تہ بند اور کرتے میں نظر آتے، البتہ باہر نکلتے تو کبھی کوٹ پتلون پہن لیتے تھے۔ کبھی فراک کوٹ کے ساتھ شلوار اور ترکی ٹوپی ہوتی تھی۔ ولایت جانے سے پہلے وہ پنجابیوں کا عام لباس پہنتے تھے، یعنی کبھی مشہدی لنگی کے ساتھ فراک کوٹ

اور شلوار، کبھی سپید ململ کی پگڑی۔ وہ شیروانی اور چست گھٹنا بھی پہنتے رہے ہیں مگر بہت کم۔ میں نے اس لباس میں انھیں دیکھا تو نہیں البتہ قیاس کہتا ہے کہ شیروانی اور چست گھٹنا ان کے جسم پر بہت کھلتا ہوگا۔

وہ کھانا کم کھاتے تھے مگر ہمیشہ اچھا کھاتے تھے۔ مدت سے ان کا یہ دستور تھا کہ رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے صرف نمکین کشمیری چائے پر اکتفا کرتے تھے۔ دسترخوان پر ہمیشہ دو تین سالن ضرور ہوتے تھے۔ پلاؤ اور کباب انہیں بہت مرغوب تھے۔ شبدیگ بھی بہت پسند تھی۔ جاڑے کے دنوں میں بڑے چاؤ سے شب دیگ پکواتے اور خشکے کے ساتھ کھاتے تھے۔ پھلوں میں صرف آموں سے رغبت تھی۔ آموں کی فصل میں لگن اور سینیاں بھر کے بیٹھ جاتے۔ خود کھاتے، احباب کو کھلاتے، لطیفے کہتے، آپ ہنستے، دوسروں کو ہنساتے تھے۔

جوانی کے زمانے میں ان کا معمول یہ تھا کہ صبح اٹھ کے نماز پڑھتے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے پھر ورزش کرنا شروع کردیتے۔ ڈنڑ پیلتے، مگدر ہلاتے اور جب سارا جسم عرق عرق ہوجاتا۔ تو مگدر ہاتھ سے چھوٹتا، سن زیادہ ہوگیا، تو ورزش چھوٹ گئی۔ البتہ قرآن کریم کی تلاوت آخر تک جاری رہی۔

عام طور پر پنجابی بولتے تھے۔ کبھی کبھی اثنائے گفتگو میں انگریزی بولنا بھی شروع کردیتے تھے۔

یو۔پی کے جو شاعر اور ادیب ان سے ملنے آتے تھے، انھیں علامہ اقبال کے ڈیل ڈول لب و لہجہ اور گفتگو کے انداز پر حیرت ہوتی تھی کیونکہ ان لوگوں کے ذہن میں شاعر کا تصور یہ ہے کہ تیکھے تیکھے نقش، جسم دھان پان بلکہ بالکل مشتِ استخواں، کلّے میں گلوری، بات بات پر تسلیمات بجا لاتا اور دہرا ہوا جاتا ہے۔ بغل میں کاغذوں کا پلندہ جس میں کچھ ادھوری اور کچھ پوری غزلیں، مخاطب کے مذاق اور خیالات کا لحاظ نہیں کرتا جو ملنے آتا ہے، اسے اپنا کلام سنانا شروع کردیتا ہے اور اس وقت تک خاموش نہیں ہوتا، جب تک سننے والا اکتا نہیں جاتا۔

مجھ سے یو۔پی کے ایک مشہور شاعر نے، جو علامہ اقبالؒ سے مل چکا تھا استعجاب کے انداز میں کہا۔ ''اجی صاحب! ڈاکٹر اقبال اپنے لب و لہجے اور ڈیل ڈول سے بالکل پنجابی معلوم ہوتے ہیں۔'' گویا ان لوگوں کے نزدیک اچھے شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے لب و لہجے اور ڈیل ڈول سے پنجابی معلوم نہ ہو۔

ایک دفعہ یو۔پی کے ایک شاعر آئے اور تھوڑی دیر کے بعد علامہ اقبالؒ سے ان کا کلام سننے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ انھوں نے ٹالنا چاہا، لیکن آپ جانتے ہیں کہ یو۔پی کا شاعر، شعر سننے اور سنانے کے معاملے میں ہمیشہ ''بے پناہ'' ہوتا ہے۔ انھوں نے علامہ مرحوم کے افکار کو شاعرانہ انکسار سمجھا اور برابر تقاضا جاری رکھا، جب یوں کام نہ نکلا تو اپنی ایک غزل سنانی شروع کردی۔ علامہ اقبالؒ کچھ دیر تو چپ چاپ بیٹھے سنتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ مدعی داد کا بھی طالب ہے، تو ان سے ضبط نہ ہوسکا۔ صاف کہہ دیا کہ اس قصے کو جانے دیجیے، میں شعر سننے سنانے کا قائل نہیں۔ وہ تھوڑی دیر چپکے بیٹھے رہے، پھر اٹھ کے چلے گئے مگر ان کے تیوروں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہاں سے نکلتے ہی خودکشی کرلیں گے اور اس معاملے میں وہ حق بجانب بھی تھے۔ انھیں یقیناً عمر بھر میں کبھی اس قسم کے شاعر سے سابقہ نہیں پڑا ہوگا۔ جی میں کہتے ہوں گے کہ یہ کیسے شاعر ہیں۔ جو نہ شعر سناتے ہیں، نہ سنتے ہیں، نہ داد لینے کا شوق، نہ داد دینے کا سلیقہ۔

علامہ اقبالؒ جوانی میں کبھی کبھار مشاعروں میں بھی شریک ہوجاتے تھے، لیکن آہستہ آہستہ انھیں اس قسم کے اجتماعات سے نفرت سی ہوگئی۔ ایک دن مشاعروں کا ذکر آگیا، تو فرمایا اردو شاعری کو ان مشاعروں نے کھویا۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگے مشاعروں میں بُرے بھلے سب شریک ہوتے ہیں اور داد کو شعر کے حسن و قبح کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو شاعری نے عوام کے مذاق کو اپنا رہنما بنالیا۔ میں نے عرض کیا: ''ان مشاعروں نے تو اردو زبان کو بہت فائدہ پہنچایا ہے''۔ فرمایا ''ہاں! زبان کو فائدہ پہنچایا اور شاعری کو غارت کر ڈالا۔''

مرحوم کی طبیعت میں ظرافت بہت تھی۔ خشک فلسفیانہ مسائل کو بھی وہ لطیفوں اور پھبتیوں سے ایسا دلچسپ بنا دیتے تھے کہ جی چاہتا تھا پہروں بیٹھے ان کی باتیں سنتے رہیں۔ یوں تو ہر روز دو تین لطیفے ہوجایا کرتے تھے، لیکن جو پھبتیاں انھوں نے سر شہاب الدین کے متعلق کہی ہیں انھیں تاریخی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دیکھ کر علامہ اقبال کو لطیفوں اور پھبتیوں کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ سر شہاب الدین کا رنگ سیاہ تھا۔ ایک دفعہ وہ سیاہ سوٹ پہن کر اسمبلی میں تشریف لے آئے۔ علامہ اقبالؒ

نے انہیں دیکھا، تو ہنس کے فرمایا'' چودھری صاحب! آج تو آپ ننگے ہی چلے آئے۔''

چودھری صاحب نے غور کیا، تو معلوم ہوا کہ لباس کے انتخاب کا معاملہ نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔ سیاہ رنگت پر سیاہ سوٹ واقعی بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ لوگوں کو یہ معلوم کرنے میں دقت ہوتی ہے کہ کوٹ کا کالر کہاں ہے؟ اور ٹھوڑی کہاں؟ یہ سوچ کے سیاہ سوٹ کے بجائے سپید سوٹ پہننا شروع کر دیا۔ علامہ اقبال نے انہیں دیکھا تو سر سے پاؤں تک ایک نظر ڈالی اور بے اختیار ہنس پڑے۔ چودھری صاحب نے جھنجھلا کے کہا۔ '' آپ ہنستے کیوں ہیں؟'' ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔'' میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ آپ ہیں یا کپاس کے کھیت میں اُرنا بھینسا۔''

ایک مرتبہ بے تکلف احباب کی صحبت میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ چودھری شہاب الدین کا ذکر چھڑ گیا۔ کہنے لگے:'' میں نے عالمِ مثال میں ایک بڑھیا دیکھی جو سٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ تو کون ہے؟ کہنے لگی میں طاعون ہوں میں نے کہا، تو بھاگ کے کہاں جا رہی ہے؟ کہنے لگی میں شہر کی طرف جانا چاہتی تھی لیکن وہاں شہاب الدین پہلے ہی موجود ہے۔ میری کیا ضرورت رہ گئی؟''

ایک دن سر شہاب الدین سے کہنے لگے۔'' چودھری صاحب آپ سچے مسلمان ہیں۔'' چودھری صاحب نے پوچھا '' آپ کو کیونکر معلوم ہوا'' کہنے لگے'' مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے اور بحمداللہ کہ آپ کا ظاہر و باطن یکساں ہے''۔

جن دنوں ابھی چودھری شہاب الدین، نہ سر تھے نہ کونسل کے صدر بلکہ صرف لاہور میونسپلٹی کی صدارت فرماتے اور نرے چودھری جی کہلاتے تھے۔ مہتر صاحب چترال، لاہور تشریف لائے اور یہاں کے معززین نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دی۔ چونکہ علاّمہ اقبال کے سوا مہتر صاحب سے کسی کی شناسائی نہیں تھی، اس لیے مہمان سے میزبانوں کا تعارف کرانے کی خدمت انھیں کے سپرد ہوئی۔ چودھری شہاب الدین کی باری آئی، تو علاّمہ مرحوم نے فرمایا: اعلیٰ حضرت مہتر چترال........... چودھری شہاب الدین۔
اتنا کہہ کے بڑی متانت سے فرمایا۔'' ایں ہم مہتر لاہور است''۔

اس قسم کے لطیفے جو صرف چودھری سر شہاب الدین سے متعلق ہیں، ہزاروں نہیں تو کم از کم سیکڑوں ضرور ہیں، لیکن مصیبت یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کا انتقال ہو گیا اور چودھری صاحب بتاتے نہیں۔

ان سے ہر قسم کے لوگ ملنے آتے تھے اور وہ سب کی باتیں غور سے سنتے اور ان کا جواب دیتے تھے۔ دوسرے تیسرے روز کالجوں کے کچھ طلبہ بھی آ جاتے تھے۔ ان میں سے کوئی ان کے اشعار کے معنی پوچھتا تھا، کوئی مذہب کے متعلق سوالات کرتا تھا۔ کوئی فلسفے کی بحث لے بیٹھتا تھا۔ ایک دفعہ گورنمنٹ کالج کے چار پانچ طالب علم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ جانتے ہیں کہ کالج کی مخلوق میں بننے سنورنے کا شوق زیادہ ہے۔ پوڈر اور سرخی کا استعمال روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ ابروؤں کو خم دینے، زلفوں میں بل ڈالنے، ہونٹوں کو سرخی کے استعمال سے '' لعلین'' بنانے کا شوق زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایک تو یہ چاروں پانچوں گل چہرہ اور نازک اندام، اس پر بناؤ سنگار کا خاص اہتمام۔ انھوں نے آتے ہی پردے کی بحث چھیڑ دی۔ اور ایک نوجوان کہنے لگا:'' ڈاکٹر صاحب اب مسلمانوں کو پردہ اُٹھا دینا چاہیے''۔

ڈاکٹر صاحب مسکرا کے بولے۔'' آپ عورتوں کو پردہ سے نکالنا چاہتے ہیں اور میں اس فکر میں ہوں کہ کالج کے نوجوانوں کو بھی پردہ میں بٹھا دیا جائے۔''

مرحوم زندگی کے بعض معاملات میں خاص ضابطوں کے پابند تھے۔ وہ گھر کا سارا حساب کتاب باقاعدہ رکھتے تھے اور ہر شخص کے خط کا جواب ضرور دیتے تھے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کوئی شخص ان سے کوئی سند یا کسی تصنیف پر ان کی رائے لینے آتا تھا، تو کہتے تھے خود لکھ لاؤ میں دستخط کر دوں گا اور یہ بات صرف ٹالنے کی غرض سے نہیں کہتے تھے، بلکہ جو کچھ کوئی لکھ لاتا تھا، اس پر دستخط کر دیتے تھے۔ ان کی طبیعت میں بلا کی آمد تھی۔ ایک ایک نشست میں دو دو سو شعر لکھ جاتے تھے۔ پلنگ کے پاس ایک تپائی پر پنسل اور کاغذ پڑا رہتا تھا، جب شعر گوئی پر طبیعت مائل ہوتی تھی، لکھنا شروع کر دیتے تھے۔ کبھی خود لکھتے تھے، کبھی کسی کو لکھوا دیتے تھے۔

عشقِ رسولؐ نے ان کے دل کو گداز کر رکھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیتے وقت ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں اور قرآن پڑھتے پڑھتے بے اختیار رو پڑتے تھے۔ غرض ان کی شخصیت بے حد دلآویز تھی۔ جن لوگوں نے صرف ان کا کلام پڑھا ہے اور ان سے ملے نہیں، تو وہ اقبالؒ کے اعلیٰ کمالات سے بے خبر ہیں۔

موت سے کوئی ڈھائی سال پہلے وہ میو روڈ پر اپنی نوتعمیر کوٹھی میں اٹھ گئے۔ وہاں گئے ابھی تھوڑے دن ہوئے تھے کہ ان کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ انھیں اس واقعے کا بہت صدمہ ہوا۔ میں نے اس حالت میں انھیں دیکھا کہ مرحومہ کی قبر کھودی جا رہی ہے اور وہ پیشانی پر ہاتھ رکھے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ اس وقت وہ بہت بوڑھے معلوم ہو رہے تھے۔ کمر جھکی ہوئی تھی اور چہرہ زرد۔ اس واقعے کے بعد ان کی صحت برابر بگڑتی چلی گئی۔ آخر ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال کیا اور شاہی مسجد کے باہر دفن ہوئے۔

(مردم دیدہ)

مشق

۱۔ مختصر جوابات لکھیں۔

(الف) علامہ اقبالؒ کے گھر ہونے والی محفلوں کا حال لکھیں۔

(ب) شعر سننے اور سنانے کے معاملے میں یو۔پی کے شعرا کا کیا طرزِ عمل ہے؟

(ج) سر شہاب الدین کون تھے؟

(د) علامہ اقبالؒ کے اُن دوست احباب کے نام لکھیں، جن کا ذکر اس خاکے میں ہے۔

(ہ) "میں اس فکر میں ہوں کہ کالج کے نوجوانوں کو بھی پردے میں بٹھا دیا جائے" علامہ اقبالؒ نے یہ جملہ کیوں کہا؟

۲۔ اس مضمون میں علامہ اقبالؒ کی زندگی کے جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اُن پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔

۳۔ خالی جگہ پُر کریں:

(الف) اُن دنوں نمک کی ستیاگرہ زوروں پر تھی۔

(ب) موضوع روکھا پھیکا تھا مگر بیچ بیچ میں لطیفے بھی ہو جاتے تھے۔

(ج) وہ جاڑے میں بڑے شوق سے شب دیگ پکواتے تھے۔

(د) علامہ اقبالؒ عام طور پر پنجابی بولتے تھے۔

(ہ) علامہ اقبالؒ کے مطابق مشاعروں نے شاعری کو غارت کر ڈالا۔

۴۔ آپ "میرے اساتذہ" کے عنوان پر کم از کم پانچ سو الفاظ کا مضمون تحریر کریں۔ روزمرہ کا خیال رکھیں اور محاورات استعمال کریں۔*

* محاورہ اور روزمرہ

جب دو یا دو سے زیادہ الفاظ حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں تو وہ محاورہ کہلاتا ہے۔ مثلاً آنکھیں دِکھانا، آنکھوں سے گرانا، نو دو گیارہ ہونا، تارے گننا وغیرہ۔ روزمرہ اہلِ زبان کے بول چال کا نام ہے۔ روزمرہ میں الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ محاورہ قواعد کی حدود میں آتا ہے جب کہ روزمرہ قواعد سے بالاتر ہوتا ہے۔ اسی طرح محاورے میں تبدیلی نہیں ہوتی جب کہ روزمرہ اہل زبان کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے۔